۷۸۶

اسلام میں تعلیم کا نصب العین

مقالہ جناب ڈاکٹر سیّد حامد حسن صاحب بلگرامی

رئیس الجامعہ، جامعۂ اسلامیہ، بہاولپور

جو آپ نے

بموقع

افتتاحی اجلاس "کانفرنس فروغ تعلیم دین"

زیرِ صدارت

عالیجناب خان محمد علی خان صاحب وزیر تعلیم و اوقاف

حکومت مغربی پاکستان

بتاریخ

۵ نومبر ۱۹۶۶ء جامعہ ہال میں پڑھا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر بلگرامی

اسلامی تعلیم کا نصب العین

علم نورِ خداوندی ہے جس کا القاء ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ذریعہ انسانی قلوب میں فرما دیا تھا۔ انبیائے کرام علیہم السلام مختلف ادوار میں اسی کی تکمیل کرتے رہے اور سیّدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تکمیل فرمادی۔ اسی کو فرمایا۔ انما بعثت معلماً (الحدیث)

ان ہی مقدس ہستیوں سے تمام عالم، علم کی تنویر سے منور ہوتا رہا۔ انہوں نے علم کی مقصدیت وصول الی اللہ بتائی اور انہیں نے ایمان کی بنیادوں پر علم کو استوار کیا۔ دنیا میں تمام ارتقائی منازل انہیں مبارک ہستیوں کے مرہونِ منت ہیں۔ عالمِ اسلام ایک ہزار سال تک اسی مقصدیت کے پیشِ نظر علم کی تمام تحریکوں میں سرگرم رہا۔ پھر جب علمی سرگرمیوں سے مسلمانوں کا دامن خالی ہونے لگا تو ان کا یہ علمی ورثہ مغربی اقوام میں منتقل ہونا شروع ہوگیا اور مسلمان انحطاطِ ذہنی و فکری کا شکار ہوئے اور رفتہ رفتہ مغرب نے اسلام و آگہی سے الگ ہوکر اپنی جُدا اقدارِ زیست متعین کرنے کی کوشش شروع کردی۔ یہاں تک کہ گذشتہ سو سال میں جس قدر تعلیم کے مقاصد اور منہاج کے متعلق مختلف ممالک کے مفکروں نے لکھا ہے اس قدر شاید صدیوں میں بھی اس موضوع پر نہ لکھا گیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی کسی ملک میں بیداری پیدا ہوتی ہے تو وہ حالات کی روشنی میں اپنی ضروریات اور تمناؤں کا جائزہ لیتا ہے۔ اور اپنی تعلیم کو اس کے لئے ایک وسیلہ اور ذریعہ بناتا ہے۔ بعض ممالک نے اس حقیقت کا بلا تردد اعتراف کر لیا ہے۔ بعض نے اس پر فلسفیانہ بحثوں اور سیاسی مصلحتوں کے پردے ڈالے ہیں۔

پہلی مثال روس کا نظامِ تعلیم ہے جس نے اس حقیقت کا اعتراف صاف الفاظ میں کیا ہے کہ ہماری تعلیم ان مقاصد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ جو ہماری حکومت کا نصب العین ہے۔ چنانچہ روسی ماہرِ تعلیم میڈنیسکی کے الفاظ ہیں:۔

> روس کا نظامِ تعلیم بنیادی طور پر سامراجی نظامِ تعلیم سے بالکل مختلف ہے۔ یہ نظامِ تعلیم روس کے اس نظامِ تعلیم سے بھی مختلف ہے جو خود روس میں دورِ اشتراکیت کے انقلاب سے قبل رائج تھا۔ روس جس اشتراکیت کا علمبردار ہے اس کا نظام اسی اشتراکیت کی فہم کو عام کرنے اور اسی کے ذریعہ ملک میں استحکام پیدا کرنے کا ضامن ہے اور اسٹالن کے الفاظ میں "تعلیم ایک ایسا آلہ کار ہے جس کا اثر اس پر مبنی ہے کہ وہ کس کے ہاتھ میں ہے"

اس مقصد کے پیش نظر اشتراکی حکومتوں نے جو کچھ کیا وہ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے اپنے محدود دائرہ عمل میں مقصد کے تعین اور اس کے لئے پوری جدوجہد کے بعد انہوں نے وہ سب کچھ حاصل کرلیا۔ جو مادی زندگی میں ایک مستحکم معاشرہ کے لئے ضروری ہے۔ یہ کس قیمت پر حاصل ہوا۔ اس کا اندازہ مضمون کے آخر تک آپ کو خود ہو جائے گا۔"

دوسری جانب وہ مغربی اقوام ہیں جنہوں نے اپنے مقاصد پر حسین حجابات ڈالے ہیں جنہوں نے کبھی اس حقیقت کا اعتراف نہ کیا کہ ان کی تعلیم کا مقصد دیگر اقوام پر حکومت، ان پر اپنی برتری کا قائم کرنا اور قائم رکھنا اور خود اپنی قومی زندگی کو ان وسائل سے بہرہ ور کرنا ہے۔ انہوں نے خود اپنے ملک میں بھی سرمایہ دارانہ نظام کی بقا اور اس کی ترویج کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنے مذہبی اعتقادات کی گرتی ہوئی دیوار کو ثقافت، جمہوریت اور انسانیت پرستی، داخلیت اور دیگر سحر آفریں الفاظ سے سنبھالا ہے۔ انہوں نے اپنی تعلیم کلیسا کے اردگرد ہی شروع کی تھی لیکن خود ان کی تعلیم کلیسا کی بنیادوں کو مستحکم بنانے سے قاصر رہی بلکہ تعلیم کے ساتھ ان کے طالب علموں میں خود اپنے مذہب سے ایک بیزاری سی پیدا ہو گئی جس کا علاج نہ کلیسا کے پاس تھا اور نہ ماہرین تعلیم کے پاس۔ سوائے اس کے کہ وہ خود اپنے مذہب کو عوام کی تمناؤں اور خواہشوں کے قریب لائیں اور اس طرح اپنی قومی انفرادیت کو باقی رکھیں۔ درحقیقت یہی انفرادیت کا باقی رکھنا بالآخر تعلیم کا نصب العین قرار پایا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ یہ حجابات ہیں۔ آیئے ذرا اس حقیقت کا جائزہ لیں:- بعض مغربی ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ تعلیم کا نصب العین سیرت کی تعمیر ہے۔ یہ عنوان گو بظاہر بہت اچھا ہے۔ لیکن جب ہم ان مفکرین سے سوال کرتے ہیں کہ سیرت کی تعمیر کرنے کے مبادی اور طریق کار کیا ہیں۔ یا تعمیر شدہ سیرت کے کیا لوازمات ہیں۔ نیز ایک تعمیر شدہ سیرت کا معیار کیا ہے۔ علمی دنیا میں اس کے لئے کیا نمونہ یا اسوۂ حسنہ ہے۔ جس کے پیش نظر سیرت کی تعمیر کے خواہاں (یا سیرت کے معمار) اپنی منزل مقصود متعین کر سکیں تو ان لوگوں کے غیر مربوط اور منتشر جواب ہماری مایوسی کو اور بڑھا دیتے ہیں۔

ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ تعلیم کا نصب العین انسان کو ایک مکمل زندگی بسر کرنے کے لئے تیار کرنا ہے۔ یہاں بھی تحقیق کا انجام اور مآل محض عنوان کی حد تک ہے۔ ہمیں یہ تفصیلات کہیں نہیں ملتیں کہ مکمل زندگی کیا ہے۔ مکمل زندگی کا تصور محض دنیا ہے۔ یا آخرت بھی اس کی جولانگاہ ہے۔ پھر وہ زندگی کیونکر بسر کی جاتی ہے۔ اس کے آداب و سنن اور فرائض کیا ہیں۔ کیا مغرب کوئی ایسی ذات پیش کر سکتا ہے۔ جس کی زندگی ہر طرح مکمل ہو، تاکہ ہم اپنے آپ کو اس کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ یا ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ باوجود بے پناہ کمزوریوں کے اپنی زندگی کو مکمل سمجھ لے۔ کیونکہ وہ تعلیم یافتہ ہے اور اس طرح تعلیم کے باوجود زندگی بھر جہل مرکب میں گرفتار رہے۔

یہ سیرت کی تشکیل، یہ انفرادیت کا تصور، یا مکمل زندگی کی تمنا کہاں اور کب پیدا ہوئی اس کے بیان کا وقت نہیں۔ جو لوگ مغربی ممالک کی علمی ترقیوں کی منزلوں سے باخبر ہیں اُن سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مذہب، فلسفہ، سائنس، کیمیا، ہیئت کی تعمیر مغرب نے انہیں بنیادوں پر کی جو مسلمان معماروں نے ان کے لئے چھوڑی تھیں۔ انہوں

نے اسلامی تصورِ حیات کا یہ منتہائے نظر بھی جان لیا کہ جسم اور ذہن کے ساتھ روح کی بالیدگی بھی ضروری ہے۔ جو ان کے نزدیک محض آداب زندگی یا ولولۂ قومی سے عبارت ہے اور انہوں نے جدید ترین الفاظ میں تعلیم کی تعریف یہ کی کہ تعلیم کا منشاء جسم، ذہن اور روح کی ایک متوازن ترقی کا حاصل کرنا ہے۔ تاکہ ہر فرد کی انفرادی صلاحیتیں بھی بروئے کار آئیں اور اس کو زندگی کی مسرتیں بھی حاصل ہوں۔ لیکن یہاں بھی اگر ہم ان سے یہ دریافت کرنا چاہیں کہ روح کی بالیدگی سے کیا مراد ہے۔ روح کا جسم و ذہن سے کیا تعلق ہے۔ ان روحانی و اخلاقی اقدار اور انسان کے توازن کا معیار کیا ہے۔ اس توازن کو کون مرتب کرتا ہے۔ کیسے مرتب ہوتا ہے۔ تو اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔

بعض مغربی مفکرین نے یہ پیش کیا کہ تعلیم کا نصب العین انسان کے اعلیٰ ممکنات اور قویٰ کو فعل میں لانا ہے لیکن اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ قوت و فعل کی اصطلاح فارابی کی منطق سے ماخوذ ہے۔ اور یہاں بھی اس کا کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ انسانی صلاحیتوں اور قویٰ کی کیا کیا خواص ہیں اور انہیں فعل میں لانے کے لئے کیا مثبت تدابیر ہیں۔

بالآخر انگلستان کے نامور ماہر تعلیمات "ڈیوی" کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ تمام اشخاص کے لئے تعلیم کا کوئی مشترک نصب العین متعین نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ نصب العین کا تعلق مقصد زیست سے ہے اور یورپ کے جس قدر اشخاص ہیں اسی قدر مقاصد زیست ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ کہتا ہے کہ تعلیم کا ایک مشترک مقصد انفرادیت کا آزادانہ نشو و نما ہے مگر زندگی کا کوئی نصب العین متعین کئے بغیر انفرادیت کا نشو و نما مغرب کے روایتی تشتت و افتراق کا بیج بونے کے سوا کچھ نہیں۔ ہمیں شخصیت و انفرادیت کے نشو و نما سے قطعاً اختلاف نہیں لیکن اگر مختلف افراد میں کوئی نظم یا رشتۂ انسلاک نہ ہو تو یہ مزید افتراق کا باعث ہوگا۔

بالآخر (برک لین کالج نیویارک) کے ایک ماہر تعلیم اور مفکر پروفیسر "واشن برن" کو جملہ مغربی ممالک کا نصب العین ان الفاظ میں بیان کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ ان مقاصد کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اظہارِ شخصیت و نظم و ضبط۔
۲۔ تحفظ اور علم۔
۳۔ معاشرتی احساس اور جمہوریت۔

گویا ان کے نزدیک اظہارِ شخصیت کے لئے نظم و ضبط، تحفظ کے لئے علم اور معاشرتی احساس کے فروغ کے لئے جمہوریت ضروری ہے۔

"واشن برن" کے ان الفاظ میں ایک حد تک صداقت موجود ہے۔ لیکن ان کے تصورِ شخصیت میں انفرادیت کا ایک غیر معین معیار رہے۔ تحفظ صرف کشمکشِ حیات کے لئے مادی وسائل کی تلاش تک محدود ہے اور احساس معاشرت کو بھی وطنیت، قومیت، رنگ و نسل کی عصبیت نے اس درجہ محدود بنا دیا ہے کہ اس کو انسانیت سے ہمدردی، محبت اخوت، مودت پیدا کرنے کا ذریعہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مغربی نظریہ تعلیم کی اس وضاحت کے بعد اس کی

کوتاہیاں خود ہی نمایاں ہو جائیں گی:

اس تمام مباحث کے بعد جب ہم اسلامی تعلیم کے نصب العین پر ایک تاریخی پس منظر میں نظر ڈالتے ہیں تو ایک حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے کسی دور میں اس امر کو کوئی خصوصی اہمیت نہ دی۔ کہ اسلامی تعلیم کے مقاصد و منہاج کو جداگانہ حیثیت سے متعین کیا جائے۔ ان کے نزدیک اسلامی تعلیم کا مقصد ایک ایسی واضح حقیقت تھی کہ اس کے بارے میں کسی بحث کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کے نزدیک اسلامی تعلیم کا مقصد تسخیرِ کائنات رہا۔ تاکہ کائنات کی ہر شئے بندۂ مومن کے زیرِ نگیں ہو۔ اور خود مسلمانوں کی زندگی کا مقصد ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت رہے۔ جس کی خلش انسان کے قلب کی گہرائیوں میں مضمر ہے۔ گویا اسلامی نظریۂ تعلیم کی جولان گاہ دنیا ہی نہیں آخرت بھی ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کا مشترک مقصدِ زیست "لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" ہی رہا ہے۔ یہی ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ اور یہی ان کی ریاست کا نصب العین۔ یہی ایک مشترک و مضبوط رشتہ ہے جو ان کے منفرد دلوں کو ایک غیر منقسم وحدت میں تبدیل کرتا ہے۔ یہی ہماری تعلیم کا نصب العین ہے۔ گویا لا الٰہ الا اللہ رشتۂ انسلاک، مودت، محبت اور محمد رسول اللہ شخصیت و انفرادیت کا نشوونما اور تعمیرِ سیرت کے لئے اسوۂ حسنہ کی بنیاد اور انسان کے اعلیٰ ممکنات کو فعل میں لانے کا وسیلہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں لا الٰہ الا اللہ کا مقصد واحد لم یزل کے تصور سے انفرادیت کا آزادانہ شعور پیدا کرنے کے ساتھ معاشرہ کی ذمہ داریوں کو اجاگر کرنا ہے۔ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی عملی شکل ہے۔ تسخیرِ کائنات اس کی تعبیرِ دنیا، تحفظِ ابدیت اس کی تعبیرِ آخرت ہے سربلندی حریتِ فکری، اقتدار، وقارِ علمی، اس کا ظاہر، محبت، ہمدردی، ایثار، گریہ نیم شبی اور اخلاص اس کا باطن ہے۔ اس کی ابتداء "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" اور اس کی انتہا "فاسجد واقترب" ہے۔ اس کا مقصدِ حقیقی اللہ ہے۔ اس کی کتاب کتاب اللہ ہے، اس کا معلم رسول برحق خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مسلمان جب تک اور جس حد تک اس نصب العین سے قریب رہے اسی حد تک دینی اور دنیوی فلاح ان کے نصیبہ میں رہی سا ایک ہزار سال تک علمی دنیا میں ان کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ حتیٰ کہ اسلامی علوم میں ترقی کر کے انہوں نے اس کی سینکڑوں شاخیں بنا ڈالیں اور علومِ عقلیہ، انسانیہ، طبیعیہ اور حکمتِ عملی پر بھی انہوں نے نہایت جانفشانی سے کام کیا پھر مختلف علوم کی ایجاد کی۔ مختلف علوم کو از سرِ نو مدون کیا۔ مختلف علوم میں اپنے پیش رو اقوام کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور ان تمام علوم کو اپنے نصابِ تعلیم میں ہر دور میں نہایت وسعت سے جگہ دی۔ حتیٰ کہ اسلامی دور کے مفکرین کی علمی جامعیت کو دیکھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ کہ وہ اسلامی علوم کے علاوہ عقلی، طبیعی، فلسفی، معاشرتی و اجتماعی تمام علوم پر کماحقہٗ دسترس رکھتے تھے۔ ابن خلدون کو دیکھیئے جو وقت کے مفکر تھے اور جملہ علوم و فنون پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے اصول و ضوابط کو پیش کر کے اُن پر الگ الگ تبصرہ کرتے تھے۔ گذشتہ دور

ملاحظہ ہو = اسلام کا نظریۂ تعلیم، توسیعی تقاریر، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور

غلامی میں ہماری یہ بے مثال خصوصیت ہم سے چھن گئی ہم نے دین و دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے اور اپنی دعا
" رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً "
کو محض دعا کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ اب جبکہ ہم آزاد ہو چکے ہیں، ہمیں اسی مقصدیت اور نصب العین کے تحت نئے حالات اور نئے تقاضوں کے پیش نظر ایک ایسا طریق کار وضع کرنا ہوگا کہ ہم زندہ اقوام کے شانہ بشانہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکیں۔ اور ہمارے نصب العین کی بھی تکمیل ہو۔

الغرض جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اسلام کا نظریہ تعلیم، اظہار شخصیت کے لئے نظم و ضبط اور تحفظ ذات کے لئے علم، اور انفرادیت کی ترقی کے لئے معاشرتی فلاح و بہبود کے اصولوں کے مخالف نہیں لیکن وہ اظہار شخصیت، تحفظ اور معاشرتی شعور کو ایک جامع تر اور وسیع تر انداز سے دیکھنا چاہتا ہے۔ جس سے انسان اپنی زندگی کی ہر منزل میں ایک بالیدگی تحفظ، اور خدمتِ خلق کا صحیح جذبہ پا سکے۔ اور اسی لئے وہ شخصیت، تحفظ اور خدمتِ خلق کی بنیاد دین نور ایمان پر رکھتا ہے۔ فی الحقیقت انجام کے اعتبار سے یہی اسلام کی بے مثال کامیابی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:۔

انسان تین اجزاء سے مرکب ہے۔ جسم، ذہن اور روح، ان تینوں میں ایک خاص ربط و تعلق ہے اور تینوں کی ترقی ایک دوسرے سے وابستہ ہے، جسم ارض سے متعلق ہے اس کی نشوونما ارضی اجزاء سے ہے۔ ذہن ایک صحت مند علمی فضا چاہتا ہے۔ لیکن وہ علم کو صرف حیات تک محدود نہیں کرتا اس کا بڑا سرچشمہ وہ وحی الٰہی کو جانتا ہے۔ مغرب چونکہ ذہن کی حدود میں الجھ کر رہ گیا ہے اس لئے اس کے ہاں روحانیت کا صحیح تصوّر دھندلا اور معطل ہوتا گیا۔ لیکن اسلامی نظریہ تعلیم کے ان تینوں اجزاء میں مرکزی حیثیت روح کو حاصل ہے۔ ذہن اس کے تابع رہ کر ہی اپنی صحیح استعداد بروئے کار لا سکتا ہے اور جسم ذہن کے تابع ہو کر نشوونما پا سکتا ہے اس لئے اسلام مادی اور ذہنی ترقیوں کو روحانی ترقیوں کے ساتھ ساتھ حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ ذہن اور روح دونوں کی ترقی کے لئے ہر انسان پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت تحصیل علم کو ضروری قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک ایسا علم ہی انسان کو خلافت فی الارض کے شرف کا اہل بنا سکتا ہے جو ذہن اور روح کی متوازن بالیدگی کا ضامن ہو۔ اس لئے اسلامی نظام تعلیم کا نصب العین جہاں ایک طرف انسان کو مادی قوتوں پر غلبہ دیتا ہے وہاں اسے انسانی اعلیٰ اقدار سے بھی آراستہ کرتا ہے جو روحانیت کا نتیجہ ہیں اور روحانیت کی ارتقاء کے لئے ممد ہیں۔ اس لئے اس کی تعلیم کا احاطہ عقل و فکر کی حدود سے گزر کر وجدان و الہامات کی حدود تک وسعت پاتا ہے۔ وہ جسم و جسمانیت کی ہوا و ہوس اور نفسانیت کو روکتا ہے اور اس کو اس کے حدود سے متجاوز نہیں ہونے دیتا ہے۔ وہ اسے بہیمیت سے نکال کر عقل و شعور کی روشن فضاؤں میں لاتا ہے اور انسان کو اس کے فطری کمال سے روشناس کر کے ابدی اور لازوال مسرتوں کی شاہراہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ اللہ کی طرف سے توفیق رفیق ہو جاتی ہے اور ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ اگر اسی نصب العین کو مغربی مفکرین کے انداز میں پیش کرنا چاہیں تو یوں کہیں گے کہ :۔

(الف) مغربی نظام تعلیم ایک بچہ میں اظہار شخصیت کا شعور پیدا کرانا چاہتا ہے لیکن اسے اس کی شخصیت کا سنگِ بنیاد نہیں بناتا ہے۔ اسلام اس کے اس شعور و وجدان کو جس کی امین اس کی فطرت ہے عہد میثاق سے منسلک

کرتا ہے، اور اس کی صلاحیتوں کو واضح طور پر ابھارتا ہے۔ نظم و ضبط کے قواعد مرتب کرتا ہے اور پھر اس شخصیت کو ایک عالمگیر انسانی ہمدردی اور اخوت و برادری سے منسلک کر دیتا ہے۔ اور اس طرح ایک ایسی جامع شخصیت کا نشوونما کرتا ہے جس سے انسان کی جملہ ممکنات خود بخود فعل میں آئیں اور ایک ہم آہنگ معاشرہ پیدا ہو

(ب) اسی طرح مغربی نظام تعلیم علم کو ذاتی اور قومی تحفظ کا وسیلہ بناتا ہے۔ لیکن اس کی جولانگاہ محض یہ دنیا ہے۔ اسلامی نظریہ تعلیم دنیاوی اقتدار اور کامیابیوں کے ساتھ اخروی کامیابیوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے۔ اس کو جس قدر دنیا میں تحفظ کی تلاش ہے اس سے زیادہ آخرت میں اسی لئے اس کا تصورِ علم بھی لامحدود ہے اس کے لئے علم محض وسیلہ حیات نہیں بلکہ مقصدِ حیات ہے کیونکہ یہی اس کے لئے ذاتِ قدس تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ علم کے اس تصور میں جو وسعت و معنویت ہے مغرب اس سے آج تک بالکل ناآشنا ہے

(ج) رہا معاشرتی احساس جس پر مغرب کے مفکرین کو اس قدر ناز ہے اس کے لئے صرف یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے تین اجزاء ہیں، صحتِ عقیدہ، حسنِ معاشرت اور تہذیبِ نفس۔ گویا صحتِ عقیدہ اور تہذیبِ نفس کی درمیانی کڑی حسنِ معاشرہ ہے۔ جب تک حقوق العباد کی ادائیگی نہ ہو انسان لذتِ عبادات سے محروم رہتا ہے اسلئے اسلام نے حقوق سے زیادہ فرائض پر زور دیا ہے۔ کہ حقوق کے ساتھ خود غرضیاں آتی ہیں اور فرائض کے ساتھ ایثار تاکہ معاشرہ سنور سکے اور فرد کی انفرادیت نکھر سکے۔ وہ ہر فرد کو معاشرے کا ایک محرک اور حیات بخش رکن بننے کی تاکید کرتا ہے۔ یہ اسلامی نظریہ تعلیم کا ایک اہم نکتہ ہے۔ مغربی نظریہ تعلیم معاشرتی احساس کو بیدار کرتا ہے لیکن اس کی فکر قومیت اور قومی مفاد سے آگے قطعی نہیں بڑھتی۔ اسلام کا تعلیمی نصب العین اس سے بلند تر ہو کر نہ صرف عزیزوں، پڑوسیوں اور ہم وطنوں تک ہمدردی، محبت، خدمت کا سبق دیتا ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے ایک جماعت سمجھتا ہے۔ اگر اسلام کی معاشرتی اور عمرانی حیثیت سے یہ تعریف کی جائے کہ اسلام ایک فرد کی جائز ضرورت کو دوسرے فرد کا دین قرار دیتا ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ اسلام کی اس فکر ہمدردی میں انسان ہی نہیں بلکہ جانور، چرند، پرند، شجر، حجر سب ہی شامل ہیں اسی لئے مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

"تخلقوا باخلاق اللہ"

اور اسی کو عام کرنا اسلامی تعلیم کا نصب العین ہے۔ قولاً، فعلاً اور عملاً

وَمَا توفیقی إلا باللہ